Policy Research Journal
ISSN (E): 3006-7030 ISSN (P) : 3006-7022
Volume 4, Issue 3, 2026

REFORMING THE MORALS OF THE YOUTH AND THEIR ROLE IN THE ISLAMIC SOCIETY

Dr. Tanveer Huma Ansari[*1], Dr. Muhammad Yousaf Awan[2], Zahida Afzal[3]

[*1]*Assistant Professor, Begum Nusrat Bhutto Women University of Sukkur*
[2]*Assistant Professor, Allied Faculty, Namal University Mianwali*
[3]*Visiting Lecturer, University of Poonch Rawalakot, Department of Islamic Studies, Rawalakot, AJK, Pakistan*

[*1]tanveerhuma@bnbwu.edu.pk, [2]yousaf.awan@namal.edu.pk, [3]zahidaafzal1987@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.23558154

Keywords
Reforming, Moral, Youth, Islamic Society, Eductaion

Article History
Received: 07 January 2026
Accepted: 17 March 2026
Published: 31 March 2026

Copyright @Author
Corresponding Author: *
Dr. Tanveer Huma Ansari

Abstract

Youth are the valuable capital of any nation, the role of youth is the backbone in the development of the nation. No nation can develop without the positive role of youth.

Any nation sets the milestones of development only thanks to the firm thinking of the youth, purposeful life, correct direction, acceptance of advice. The youth is an important capital of every nation, because the youth have always played a prominent role in keeping the nation awake, the movements dynamic and active, and the ideas successful.

Young people are the owners of high ambitions, constant struggle and tenacity are their distinguishing features, immense abilities are deposited in them, flying high is their goal, facing challenges is their hobby, they are characterized by royal qualities, they are ready to burn boats on the shore to achieve a great goal, they have the ability to change the direction of the winds. They have the power to turn defeat into victory on the battlefield.

There are many problems faced by the youth nowadays. It is very important to solve these problems. Education and training are at the top of these problems. Educational institutions play a very important role in the education and training of the youth. When you step into the big society, the slave mind emerges. When the mind once accepts slavery, no one can save the country and nation from destruction, and such nations are prone to fall quickly in which constructive minds become the basis of destruction. Academic revival and free intellectual environment is the guarantee of the survival of educational institutions. Education is a weapon through which unemployment, ignorance, injustice, terrorism and cruelty can be eradicated and the world can be made a cradle of peace. The developed nations of the world pay special attention to the education and training of their youth for the development, stability and peace of their country and society, and take special measures to solve their problems, because if the youth deviate from the right path, the society becomes unstable.

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ ۚ وَ لَوْ اٰمَنَ اَہْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّہُمْ ۚ مِنْہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُہُمُ الْفٰسِقُوْنَ.

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو ، اور اللہ تعالٰی پر ایمان رکھتے ہو ، اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا ، ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں ۔[1]

2)اس آیت میں امتِ مسلمہ کو "بہترین امت" قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے: نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ درحقیقت، یہ امت تبھی تک "بہترین امت" ہے جب تک اس میں یہ اوصاف موجود ہیں؛ بصورتِ دیگر، اسے اپنی یہ شناخت کھو دینے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اہل کتاب کی مذمت کا مقصد بھی غالباً یہی واضح کرنا ہے کہ جو لوگ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام نہیں دیتے، وہ بھی (کردار کے اعتبار سے) اہل کتاب جیسے ہی ہو جاتے ہیں۔

اسی ''ان کی صفت بیان کی گئی ہے :كَانُوْا لَا يَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْہُ ." وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے ۔

آیت میں ان میں سے اکثر کو "فاسق" (نافرمان) قرار دیا گیا ہے۔ نیکی کا حکم دینے (امر بالمعروف) کے حکم کی نوعیت کیا ہے: انفرادی یا اجتماعی؟ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی ذمہ داری ہے؛ یعنی یہ ذمہ داری ان علماء کی ہے جو شریعت کے مطابق نیکی اور بدی کا صحیح علم رکھتے ہیں اور اس بنا پر اس فریضے کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ ان کی جانب سے یہ ذمہ داری (لوگوں کو حق کی دعوت دینا اور تبلیغ کرنا) پوری ہونے پر، اسے پوری امت کی طرف سے اس فریضے کی ادائیگی تصور کیا جائے گا۔

جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے ، یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی ، تاہم ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں بھی بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً۔" میری طرف سے پہنچا دو ، چاہے ایک آیت ہی ہو "[2] کے تحت تبلیغ کا ذمے دار ہے ۔ (1) جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے ، تاہم ان کی تعداد نہایت تھوڑی تھی ۔ اس لیے مِنۡہُمُ میں مِنۡ ، تبعیض کے لیے ہے ۔[3]

قال البغوي في "تفسيره" والواحدي في "أسباب النزول": "قال عِكرمة ومقاتل :نزلت في ابن مسعود وأُبَيّ بن كعب ومعاذ بن جبل وسالم مولى أبي حذيفة رضي الله عنهم، وذلك أن مالك بن الصيف ووهب بن يهودا قالا لهم: نحن أفضل منكم، ودينا خير مما تدعونا إليه، فأنزل الله تعالى هذه الآية."

وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال) :أعطيتُ ما لم يُعْط أحد من الأنبياء، فقلنا: يا رسول الله ما هو ؟ قال: نُصِرْتُ بالرعب، وأُعطيتُ مفاتيح الأرض، وسُميتُ أحمد، وجُعِلَ التراب لي طهوراً، وجُعلت أمّتي خير الأمم (رواه أحمد .وعن معاوية القشيري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال) :إنَّكم وفَّيتُمْ سبعين أمّة، أنتُمْ خيرها، وأكْرَمُها على الله) رواه ابن ماجه .وفي رواية لأحمد) :أنتُمْ توفون)تكملون (سَبعين أمّة، أنتُمْ خيرُها وأكْرَمُها على الله.

البغوی نے اپنی "تفسیر" میں اور الواحدی نے "اصباب النزول" میں کہا: "عکرمہ اور مقاتل نے کہا: یہ ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو ابو حذیفہ کے مؤکل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور مالک وحی کی رضامندی ہے۔ ابن یہودہ نے ان سے کہا: ہم تم سے بہتر ہیں اور ہمارا دین اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مجھے وہ دیا گیا جو کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا، تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ، وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں دہشت کے ذریعے فتح یاب ہوا، اور مجھے زمین کی کنجیاں دی گئیں، اور مجھے احمد کا نام دیا گیا، اور میری امت کے لیے بہترین امت بنایا گیا)۔ احمد نے روایت کی ہے۔ معاویہ القشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم نے ستر قوموں کو ولی مقرر کیا ہے، اور تم ان میں سب سے بہتر اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہو۔) ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور احمد کی ایک روایت میں ہے: (تم (مکمل) ستر قوموں کو مکمل کرو گے، جن میں سے تم سب سے بہتر اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو گے)۔[4]

انسان اپنی سوچ اور افکارو نظریات کے گرد گھومتا ہے۔ یہ وہ کچھ ہی کرتا ہے جو اس کا نظریہ اسے کرنے کو کہتا ہے۔ اسلام نے ہمیں اچھے اخلاق کو اپنانے کی ترغیب دی ہے۔ جب انسان کی اخلاقی تربیت اچھی اور مکمل طور پر ہو جاتی ہے تو وہ کبھی بھی معاشرے میں فتنہ فساد کا سبب نہیں بنتا۔اور ہمیشہ معاشرے کی بہتری کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں کچھ احکامات نازل فرمائے جن پر عمل کرکے ہم معاشرے کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔حسن و اخلاق اور حسن سلوک کیا ہوتا ہے ؟ بیحیثیت معلم ومربی ، اور پیشوا و نمونہ ، تقلید ایک عام عظیم انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت میں نہ تھی ۔ پہنچادینے ہی کے لئے مبعوث نہیں کیا تھا بلکہ آپ قرآن ہی

القرآن 3 : 10
صحيح البخاري ، حديث : 3461
صلاح الدين يوسف، احسان البيان ، آل عمران 3 : 10
للشيخ المفسر أبي الحسن الواحدي النيسابوري ،"تفسيره" والواحدي في "أسباب النزول (٥٤٦٨)

کو ا للہ تعالیٰ نے محض ﷺ حضور پاک کی بعثت کے تین واضح مقاصد تھے ۔ ۔ * قرانی تعلیمات کو عام کرنا آپؐ معاشرے میں لوگوں میں دین واسالم کی تعلیم دیں.
* اور لوگوں کو قرآنی تعلیمات کے مطابق شعور دیں اور حکمت سکھالئیں۔
* معاشرے میں افراد کی تربیت کریں اور اس کا تزکیہ کریں اور معاشرے سے اجتماعی برائیوں کو دور کریں اور ایک صاف ستھرا قرآنی نظام کو فروغ دیں ۔
کسی بھی معاشرے میں نوجوانوں کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے ۔ کیونکہ نوجوان معاشرے کا آئینہ اور عظیم اثاثہ ہوتے ہیں ۔ معاشرے کی بقا اس کی اصلاح و فلاح اس جا مستقبل نوجوانوں سے وابستہ ہوتا ہے ۔ اور وہ کسی بھی معاشرے کےطاقتور معمار ہوتے ہیں اور کسی چھی معاشرے کا روشن مستقبل ہوتے ہیں اس لئے اب یہ اساتذہ اور والدین کی ذمیواری ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کو کس طرح لیکر چلتے ہیں اور ان کی ذہنی نشوونما کے لئے کیا کردار ادا کرتے ہیں ۔

تعارف

دنیا بھر کے نوجوانوں کو کئی مسائل کا سامنا ہے اور تعلیم و تربیت سے متعلق ان مسائل کا حل تلاش کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں تعلیمی ادارے کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان اداروں کی انتظامیہ کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ جب نوجوان نظریاتی الجھن اور ذہنی بھٹکاؤ کا شکار ہوتے ہیں، تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تباہی اور بدنامی نہ صرف اداروں کی ساکھ کو متاثر کرتی ہے، بلکہ جب یہی نوجوان تعلیمی ادارے کے محدود دائرے سے نکل کر وسیع تر معاشرے میں قدم رکھتے ہیں تو ان میں "غلامانہ ذہنیت" جنم لیتی ہے۔ جب ذہن غلامی کو قبول کر لے تو پھر قوم کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا؛ درحقیقت، قومیں اس وقت تیزی سے زوال کا شکار ہوتی ہیں جب تعمیری سوچ رکھنے والے ذہن ہی تباہی کی بنیادیں رکھنے لگتے ہیں۔تعلیمی اداروں کی بقا کی ضمانت ایک طرف تو فکری نشاۃِ ثانیہ اور دوسری طرف آزادانہ سوچ کے ماحول کے ذریعے ہی دی جا سکتی ہے۔ تعلیم میں دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کی صلاحیت موجود ہے اور یہ دنیا سے بے روزگاری، جہالت، ناانصافی، دہشت گردی اور جبر کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اپنے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور اس سلسلے میں درپیش مسائل کے حل کے لیے خاص کوششیں کرتے ہیں تاکہ ملک ترقی کر سکے اور مستحکم و پرامن رہ سکے؛ بصورتِ دیگر، اگر نوجوان راہِ راست سے بھٹک جائیں تو معاشرے میں عدم استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

اہمیت

درحقیقت نوجوانی کا دور وہ دور ہوتا ہے جب انسان کے ارادے ، جذبے اور توانائی اپنے عروج پہ ہوتے ہیں - اگران جذبوں اور توانائی سے قوم و ملک فائدہ نہ اٹھا سکیں تو یہ انتہائی بڑا نقصان ہے - اگر ہم اعداد و شمار کا جایزہ لیں تو پاکستان کی آبادی کا تقریباً 60 % حصّہ نوجوانوں پر مشتمل ہے - یہ نوجوان وہ ہیں جو صلاحیتوں سے بھرپور ہیں- جن کے عزائم بلند ہیں- جو مایوس نہیں ہیں اور جن کو اپنے ملک سے محبّت ہے اوراپنےمسلمان ہونے پر فخر، ضرورت اب صرف اس بات کی ہے کہ ہمارے سامنے ایک واضح خاکہ اور منصوبہ بندی ہو کہ ہمارے نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوے کیسے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرنا ہے- یہ کام حکومت ، والدین ، اساتذہ اور خود نوجوانوں، سب کو مل کر کرنا ہے-اس وقت چونکہ ہمارے مخاطب نوجوان ہیں اس لئے جو کام انھیں کرنا ہے اسی پر ہم زیادہ بات کریں گے اب
اس میں اساتذہ کا بھی کردار ہے کہ وہ طالب علم کو کس طرح رھنمائی کرتا ہے اور طالب علموں کے تعلیم کی طرف راغب کرتا ہے ۔

استاد کے بہتر رویہ سے طالب علم کی زندگی سنوار دیتا ہے

کبھی کبھار کسی استاد یا کسی عظیم شخصیت کا ادا کردہ ایک لفظ یا جملہ طالب علم کی زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اس سے امت کو ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا خود کہنے والے نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا؛ ایک ہی لفظ کسی فرد کو گمنامی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر عظمت و بلندی کے بامِ عروج پر پہنچا سکتا ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:
امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی (رحمۃ اللہ علیہ)—جو علمِ اسماء الرجال (راویوں کے حالات و کوائف کے علم) اور قرآن مجید کے مطالعے، تحقیق و تدوین میں ایک مستند اور عظیم عالم کی حیثیت رکھتے ہیں—اپنی تصنیفات میں حدیث کے ممتاز عالم ابو محمد بن رافع القینوقی (رحمۃ اللہ علیہ) کا تذکرہ کرتے ہوئے...
شیخ امام برزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں :

هو الذي حبب إلي طلب الحديث فإنه رأى خطي فقال: خطك يشبه خط المحدثين فأثر قوله في وسمعت منه وتخرجت به في أشياء -

یہ وہی ہیں جنہوں نے مجھے طلبِ حدیث کا شوق دلایا، انہوں نے میری لکھائی دیکھ کر فرمایا: تمھاری لکھائی محدثین جیسی ہے، ان کا یہ قول میرے دل میں گھر کر گیا اور میں نے ان سے سماع کیا اور ان کے ذریعہ کئی علوم میں مہارت حاصل کی۔[5]

(2) امام برزالی رحمہ اللہ تعالی نے تو ایک جملہ ارشاد فرمایا، لیکن اس کے بدلے امت کو "تاریخ اسلام"، "سیر اعلام النبلاء"، "تذکرۃ الحفاظ"، "میزان الاعتدال"، "تذہیب تہذیب الکمال" اور "الکاشف" جیسی بلند پایہ کتب امت کو امام ذہبی کے قلم سے نصیب ہوئیں۔

الدرر الكامنة، ٢٣٨\٣ ، تاريخ الاسلام، ٤٥٦\٥٣،فهرس الفهارس والأثبات، ٢٢٠\١

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی عظیم کتاب "الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" جسے ہم "صحیح بخاری" کے نام سے جانتے ہیں اس کتاب کا محرک بھی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے استاذ محترم اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا ایک جملہ بنا۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی اس کتاب کے لکھنے کا ایک سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

میں امام اسحاق بن راہویہ کی بارگاہ میں حاضر تھا

کہ آپ نے فرمایا: کاش تم میں سے کوئی ایک ایسی کتاب لکھے جس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث ہوں ۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں اتر گئی لہذا میں اس کتاب کو جمع کرنے میں لگ گیا۔[6]

(3)امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالی علیہ جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں. ابتداءً صرف کاروبار میں ہی مشغولیت تھی آپ کو امام اعظم بنانے والی شخصیت بھی آپ کے استاد محترم امام عامر بن شراحبیل الشعبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا ایک جملہ ہی تھا۔

: عقود الجمان میں ہے :

روى أبو محمد الحارثي بسنده عن الإمام أبي حنيفة قال: مررت يوما على الشعبي وهو جالس فدعاني وقال إلى ما تختلف؟ فقلت أختلف إلى فلان ،قال: لم أعن السوق عنيت الاختلاف إلى العلماء، فقلت: أنا قليل الاختلاف إليهم ، فقال: لا تفعل وعليك بالنظر في العلم ومجالسة العلماء فإني أرى فيك يقظة وحركة، قال: فوقع في قلبي من قوله فتركت الاختلاف أي إلى السوق وأخذت العلم ففعني الله بقوله.

ابو محمد عبد اللہ حارثی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی سند سے امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک دن میں امام شعبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے پاس سے گزرا تو وہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا: کہاں آنا جانا رکھتے ہو؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا : فلاں کے پاس جاتا ہوں ۔ امام شعبی نے فرمایا: میری مراد بازار نہیں بلکہ علماء کے پاس جانا تھا۔ اس پر میں نے کہا: میں ان کے پاس کم ہی جاتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ تمہیں تو علم وعلماء کی مجالس کی طرف توجہ دینی چاہیے بے شک میں نے تم میں بیدار مغزی و ذہانت دیکھی ہے

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں ان کی اس بات نے مجھ پر بہت اثر کیا اور میں نے کاروبار ترک کیا اور علم حاصل کرنے لگا۔ اللہ پاک نے ان کی بات کی وجہ سے مجھے بہت نفع عطا فرمایا ۔[7]

(4)امام حسن بن زیاد (رحمۃ اللہ علیہ) فقہِ حنفی کے میدان میں ایک ممتاز عالم ہیں؛ آپ کے اساتذہ میں امام زفر اور امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہما) جیسی عظیم شخصیات شامل تھیں۔

ایک دور ایسا تھا کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے امام زفر (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اگر میرے ذہن میں کوئی سوال ہوتا تو میں ان سے پوچھتا اور وہ مجھے اس کی وضاحت فرماتے، مگر اس کے باوجود میں اسے سمجھ نہ پاتا۔ جب میں ان کے لیے بہت زیادہ باعثِ زحمت بن گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا: 'افسوس تم پر! تم میں (اس علم کی) صلاحیت نہیں ہے، تمہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا، اور مجھے نہیں لگتا کہ تم کبھی کامیاب ہو سکو گے۔'

میں ان کے پاس سے مایوس اور دل شکستہ ہو کر لوٹتا اور پھر امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ وہ مجھے مسئلے کی وضاحت فرماتے، اور جب میں نہ سمجھ پاتا تو وہ پوچھتے: 'کیا تم اب بھی اسی حالت میں ہو جس میں یہاں سے گئے تھے؟' میں جواب دیتا: 'نہیں، میں نے کچھ باتیں سیکھ لی ہیں؛ اگرچہ وہ سب کچھ نہیں سیکھ سکا جو سیکھنا چاہتا تھا، مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔' وہ فرماتے: 'جو پودا نشوونما پا رہا ہو—خواہ کتنی ہی آہستہ رفتار سے کیوں نہ ہو—وہ اپنے حتمی مقام تک ضرور پہنچے گا؛ صبر رکھو؛ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی مراد ضرور پا لو گے۔' حسن بن زیاد کہتے ہیں: 'میں ان کے صبر و تحمل پر حیران رہ جاتا تھا۔[8] '

استاد کے کہے پر عمل کیا تو بالآخر ایک وقت آیا آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ امامت کے درجہ پر پہنچ ہی گئے۔

نتیجہ

لہذا آپ اپنے ما تحتوں کی حوصلہ افزائی کریں حوصلہ شکنی نہ کریں۔

نوٹ۔ قبلہ استادمحترم کے درس میں طلباء کرام کو کافی ساری ایسی چیزیں ملتی ھیں اور الحمدللہ طلباءکرام اس پہ عمل کرکے اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ایک مقام پالیتے ھیں ۔

اسلامی معاشرے میں بھی ہر فرد اصلاح معاشرہ کا ذمے دار ہے ۔ نبی کریم ؐ نے فرمایا ہے کہ " تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی نگہبانی سے متعلق پوچھا جائے گا"(مفہوم) یہ اجمالاً ذکر ہے ، جن لوگوں پر یہ ذمے داری خصوصی طور پر عائد ہوتی ہے وہ اس معاشرے کے وہ لوگ ہیں جن میں قائدانہ صلاحتیں موجود ہوتی ہیں انگریزی زبان میں اس کو Leadership) کہا جاتا ہے ، لیڈر جو کہ انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا عربی ترجمہ امام ہے جو اردو میں بھی مروج ہے اور اسلامی (Skills

---

ملخصا من التوضيح لابن ملقن، ٢٨\٢،تغليق التعليق لابن حجر، ٤١٩\٥،تهذيب الأسماء للنووي، ٧٤\١، تاريخ ابن عساكر، ٧٢\٥٢،البحر الذي ذخر للسيوطي

عقود الجمان، ورق 64، مخطوط

" الامام ابی یوسف القاضی"، حسن التقاضی فی سیرۃ ص ٥٩

معاشرہ امام کے کردار کے گرد گھومتا نظر آتا ہے ، دراصل امام اپنے علاقے کے اس اسلامی کمیونٹی سینٹر کا ذمے دار ہے جسے اسلامی اصطلاح میں مسجد کہا جاتا ہے، یہ مسجد صرف عبادت کے لیے مخصوص جگہ کا نام نہیں بلکہ مسجد میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی معاملات طے کرنے کا نظام ، تعلیم اور صحت کے پروگرام، امدادی فلاحی سرگرمیوں پر مشتمل سہولیات اور عام معاشرتی مسائل کے حل کے لیے انتظامات موجود ہوں ، لوگوں کی ایک دوسرے کی خبر گیری کرنا، ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہی حاصل کرنا، مریضوں کی عیادت کرنا، محلے اور علاقے سے برائیوں کو ختم کرنے اور نیکیوں کو فروغ دینے کے لیے کردار ادا کرنا، سب اس مسجد سے وابستہ افراد اور امام مسجد کی اجتماعی ذمے داری ہے ، عوام کی اخلاقی اور فلاحی تربیت کرنا امام مسجد کی ذمے داری ہے۔ وہ ان کاموں کے لیے ایسے رضا کار افراد تیار کریں جو ان کاموں میں دلچسپی لیں اور ان کا منشا رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ ہو۔ نادار اور غریب مریضوں کے علاج معالجے کا انتظام کرے، یتیم و بے سہارا بچوں اور بچیوں کی شادی اورجو مالی اعتبار سے پریشان حال ہوں ان کے روز مرہ کے اخراجات کا اہتمام کرے ، قرضہ حسنہ کا بندوبست کرے یعنی بیت المال کا مضبوط نظام ہو، نوجوانوں کی اصلاح کے لیے مسجد میں پروگرامات کا انعقاد کرے، نیکیوں کو معاشرے میں فروغ دینے اور بدی کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔[9]

علم ایک لازوال دولت اور معاشرے کے ہر فرد کے مستقبل کا قیمتی خزانہ اور خدا کی عطا کردہ نعمت ہے۔ انسانیت کی تکمیل کیلئے تعلیم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ۔تعلیم سے انسان کی شخصیت اورروحانیت کی منازل طے ہوتی ہیں۔تعلیم یافتہ افراد مہذب معاشروں کو جنم دیتے ہیں ۔تعلیم سے ہی ہم اپنے تہذیبی ورثے ،علمی روایات ،ثقافتی زیور اور اعلیٰ اقدار کو نہ صرف سنبھال کر اس سے مستفید ہو سکتے ہیں بلکہ ان کا تنقیدی جائزہ لے کر ماحول اورحالات کے مطابق نئے رنگوں سے سجا کر تخلیقی تعمیرِ نو کا عمل بھی کر سکتے ہیں تعلیم ہر انسان چاہے وہ امیر ہو یا غریب ،مرد ہو یا عورت کی بنیادی ضرورت میں سے ایک ہے۔ یہ انسان کا بنیادی حق ہے جو کوئی اسے نہیں چھین سکتا۔ اگر دیکھا جائے تو انسان اور حیوان میں فرق تعلیم ہی کی بدولت ہے۔ تعلیم کسی بھی قوم یا معاشرے کےلئے ترقی کی ضامن ہے۔ یہی تعلیم قوموں کی ترقی اور زوال کی وجہ بنتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کا مطلب صرف سکول، کالج، یونیورسٹی سے کوئی ڈگری لینا نہیں بلکہ اسکے ساتھ تمیز اور تہذیب سیکھنا بھی ہے تاکہ انسان اپنی معاشرتی روایات اور سماج کا خیال رکھ سکے۔ اور امن و سکون سے رہ سکیں ،اور سب انسانوں کے حقوق کا خیال رکھ سکیں اور ایک دوسرے کو عزت دیں اور کسی کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ تعلیم کی وجہ سے ہی دیا گیا ہے ورنہ حیوان اور جانور میں کوئی فرق نہ رہتا۔ تعلیم حاصل کرنا ہر مذہب میں جائز ہے۔ اسلام میں تعلیم حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا : خلق اللہ اٰدم علٰی صوٰرتہ ، اللہ [10] نے آدم کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ اسلام نے انسان کی اس عظمت کی وجہ سے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزت وتکریم کرے اور محبت سے پیش آئے ۔

افراد اور اقوام کی زندگی میں تعلیم و تربیت کو وہ بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ افراد کی ساری زندگی کی عمارت اسی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے اور اقوام اپنے تعلیمی فلسفہ کے ذریعہ ہی اپنے نصب العین ، مقاصد حیات ، ۔

یہ ثقافت، تہذیب، اخلاقیات اور سماجی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی چیز نے انہیں قوم کی زندگی کے اس اہم پہلو پر غور و . فکر کرنے اور اپنے خیالات کے ذریعے ایک زندہ دل اور متحرک قوم کی تصویر کشی کرنے کی ترغیب دی۔

زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھانا، اس سے لطف اندوز ہونا اور ایک کامیاب زندگی گزارنا یقیناً آپ کا حق ہے، لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب آپ 'فنِ حیات' سے واقف ہوں، کامیاب زندگی کے اصولوں اور آداب کو جانتے ہوں، اور ان اصولوں پر مسلسل عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کا ہنر بھی رکھتے ہوں۔ [11]

وَعَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ. وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ. وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ. وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ". رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

جس شخص نے کسی مومن سے دنیا " :سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کی کوئی تکلیف دور کی، تو اللہ اس سے قیامت کے دن کی کوئی تکلیف دور فرما دے گا، جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی تو اللہ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا، جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی تو اللہ اس کی دنیا و آخرت میں عیب پوشی فرمائے گا، اللہ بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اور جس شخص نے طلب علم کے لیے کوئی سفر کیا تو اللہ اس وجہ سے اس کے لیے راہ جنت آسان فرما دیتا ہے، اور جب کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر میں

۔ معاشرتی اصلاح کے دو اہم کردار ، 27 آکتوبر 2017
https://www.nawaiwaqt.com.pk/27-Oct-2017/687901

مشکوۃ المصابیح کتاب الاداب ص ، 397

اقبال کا تصور تعلیم ، اخذ کردہ از ، ص ۔5،6
http://ur.wikipedia.org/w/index.php

اکٹھے ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ اپنے پاس فرشتوں میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے، اور جس کے عمل نے اسے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ [12] "پیچھے کر دیا تو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔

یہ اسلامی زندگی کے وہ دلکش خدوخال ہیں ،جن کی بدولت مومن کی بنی سنوری زندگی میں وہ غیر معمولی کشش اور وہ اتھاہ جاذبیت پیدا ہوجاتی ہے کہ نہ صرف اہل اسلام بلکہ اسلام سے نا آشنا بندگان خدا بھی بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں اور عام ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جو انسانیت نواز تہذیب زندگی کو نکھارنے، سنوارنے اور غیر معمولی جاذبیت سے آراستہ کرنے کے لئے انسانیت کو یہ بیش بہا اصول و آداب عطا کرتی ہے ، وہ یقیناً ہوا اور روشنی کی طرح سارے انسانوں کی عام میراث ہے، اور بلاشبہ اس قابل ہے کہ پوری انسانیت اس کو قبول کرکے اس کی بنیادوں پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیاب تعمیر کرے تاکہ دنیا کی زندگی بھی راحت و سکون ، عیش و نشاط اور امن و عافیت کا گہوارہ بنے اور دنیا کے بعد کی زندگی میں بھی سب کچھ حاصل ہو جو ایک کامیاب اور فلاح یافتہ زندگی کے لئے ضروری ہے ۔

مخلص شخص کی پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی اصلاح قلب کے لئے اگر اس کو لوگوں کی طرف سے خفت اور بے وقتی کا سامنا کرنا پڑے اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر و قیمت ختم ہوجائے تو وہ محض اخلاص کے مد نظر اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور اسے یہ ناگوار ہوتا ہے کہ لوگ اس کے اعمال خالص میں سے کسی عمل کے بارے میں ذرہ برابر مطلع ہوں۔

اخلاص کا حکم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرمایا ہے:

وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ؕ﴿۵﴾

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کوقائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا ۔[13]

دوسرے الفاظ میں، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب جس دین کو پیش کر رہے ہیں، وہ وہی دین ہے جو 'اہلِ کتاب' کو ان کی طرف بھیجے گئے انبیاء اور عطا کی گئی آسمانی کتابوں کے ذریعے دیا گیا تھا۔ انہیں کبھی بھی ان باطل عقائد اور فاسد رسوم پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا جنہیں انہوں نے بعد میں اپنا کر مختلف فرقے بنا لیے۔ سچا اور درست دین ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے—اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے بغیر—اور ہر دوسری چیز سے منہ موڑ کر اُس ایک خدا کا مخلص عبادت گزار اور فرماں بردار بندہ بنا جائے، نیز نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے۔[14]

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾

خبردار اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبے تک ہماری رسائی کرادیں یہ لوگ جس کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا ۔ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا ۔[15]

جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ "یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں ۔"[16]

(1) کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے ۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا ۔

تحقیق و تخریج: محدث العصر حافظ زبیر علی زئي رحمہ اللہ ٔ صحیح: 2699 /38 رواہ مسلم»تخریج الحدیث ، قال الشیخ زبیر علی زئي ، مشکوۃ المصابیح/کِتَاب الْعِلْمِ/حدیث: 204

القرآن 98 :
05
ابو اعلی مودودی تفہیم القرآن ، القرآن 98 : 05
القرآن 39
03 :
القرآن 10 : 18

(2) یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان باطل معبودوں کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے ۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے ؟

اور ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں ۔[17]

(3) توحید اُلوہیت کی یہی دعوت تمام انبیاء نے دی جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ " مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں ۔" دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے ، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ، تم میری ہی عبادت کرو ۔"[18] چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا :

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ - " مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں ۔"[19]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں کہا کہ اَسْلِمْ (فرمانبردار ہو جا) تو انھوں نے فرمایا :

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - " میں رب العالمین کے لیے مسلمان ، یعنی فرمانبردار ہو گیا ۔[20]

حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی :

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ- " تمھیں موت اسلام ہی پر آنی چاہیے ۔"[21]

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی : تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا ." مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اُٹھانا ۔[22]

" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا : فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ . " اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسا کرو ۔"[23]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا : وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ." اور گواہ رہیے کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔"[24]

اسی طرح اور بھی انبیاء اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید اُلوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی ۔ گو بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے ۔[25]

اور اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے فرماتے ہیں کہ :

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾

جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے ، اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے ۔[26]

(2) روح ، ایک ایسی نظر نہ آنے والی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق اور ملاپ ہو جائے ، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق ختم ہو جائے ، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے ۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ ، جس کے بعد موت ہے ، اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے ۔ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا ، اس کے لیے بہترین جزا ہے اور دوسروں کے لیے عذاب ۔[27]

مراد یہ ہے کہ اس میں اخلاص کا پہلو نمایاں ہو ، اگر سنت کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہے اور اگر (صواب) یعنی سنت کے مطابق تو ہو مگر اخلاص کے ساتھ نہ کیا گیا ہو تب بھی مردود ہے۔ یہاں تک کہ بیک وقت خالص بھی ہو اور اسی کے ساتھ سنت کی پیروی کرتے ہوئے کیا گیا ہو تو مقبول بارگاہ الٰہی ہوگا ورنہ نہیں ، اور خالص سے مراد یہ ہے کہ " خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا ہو " " اسی طرح " صواب " سے مراد یہ ہے کہ سنت نبوی کا اتباع اور پیروی کرتے ہوئے انجام دیا گیا ہو ۔

القرآن 163 : 06
القرآن 21
: 25
القرآن 72 :
10
القرآن 131 : 02
القرآن 02 : 132
القرآن 12 : 101
القرآن 10 : 84 : 1
القرآن 5 : 111
صلاح الدین یوسف ، احسان البیان ، القرآن 05 : 111

القرآن 02 : 67
صلاح الدین یوسف، احسان البیان ، القرآن 02 : 67

مراد یہ ہے کہ اس نے نیت اور عمل دونوں اعتبار سے اخلاص پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اللہ کی ذات کا قصد کیا اور دوسرا مرتبہ احسان کا ہے جس سے مراد سنت نبوی کی پیروی اور متابعت ہے ۔[28]

ریا کاری اور ریا کار کی مذمت

جہاں ریا کاروں کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے اور ریا کاری کے انجام کار سے ان لوگوں کو آگاہ بھی کردیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَ زِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَ هُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ۔[29]

کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، ان کی نیکیوں، مثلا صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دنیوی شہرت یا دولت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے کرے تو اسے دنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے۔ لیکن اس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، ان کی نیکیوں، مثلا صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دنیوی شہرت یا دولت وغیرہ حاصل کرنے کے لیے کرے تو اسے دنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے۔ لیکن اس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔[30]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا ہوگا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہونے والے ہیں ۔[31]

دوسرے لفظوں میں، جو شخص اپنی تمام تر توجہ صرف اس دنیا اور اس کے فوائد پر مرکوز رکھتا ہے اور اپنی دنیوی زندگی کو سنوارنے کی ہی تگ و دو کرتا ہے، تو اسے اس کا پھل یہیں مل جائے گا۔ لیکن چونکہ اس نے آخرت کو اپنا ہدف نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی کوشش کی، تو پھر آخرت میں اس کے اعمال کے کسی ثمر کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ اجر و ثواب کی امید تبھی ہوتی ہے جب انسان کے اعمال دنیا میں بھی نیک اور درست ہوں۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص ایک شاندار مکان بنانا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہی طریقے اختیار کرتا ہے جو یہاں مکان تعمیر کرنے میں استعمال ہوتے ہیں، تو وہ مکان یقیناً تعمیر ہو جائے گا؛ اور اگر وہ شخص کافر بھی ہو، تب بھی اس مکان کی تعمیر میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔لیکن جب اس کی موت واقع ہوگی تو وہ اس محل سے رخصت ہونے اور دنیا میں اس کی زینت بننے والی ہر چیز کو یہیں چھوڑ جانے پر مجبور ہوگا؛ اسے آخرت میں اپنے ساتھ کچھ بھی لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پھر، اگر اس نے آخرت میں کوئی محل تعمیر نہیں کیا ہے، تو اسے آخرت میں بھی اس کا دنیاوی محل دینے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ وہ وہاں محل تب ہی تعمیر کر سکے گا جب اس نے دنیا میں ایسے اعمال کیے ہوں جو الٰہی قانون کے مطابق آخرت میں محل کی تعمیر کا باعث بنتے ہیں۔یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے وہاں محل تو نہیں ملے گا، مگر محل کے بجائے اسے وہاں آگ کیوں ملے گی؟ اس کا جواب قرآن نے کئی بار دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیاوی معاملات کی فکر میں لگا رہتا ہے، وہ فطری اور ناگزیر طور پر ایک ایسے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے جو آخرت میں محل کے بجائے بھڑکتی ہوئی آگ کا سامان تیار کرنے والا ہے۔[32]

ایک اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰٮهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾

محمد صالح المنجد ، ترجمہ فضل الرحمٰن رحمانی ندوی رحمۃ اللہ، دل کی اصلاح (اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے اعمال دل) الفرقان ٹرسٹ ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ پاکستان ۔ ص 37

القرآن 11 : 15

تقی عثمانی ، القرآن 11 : 15 تفسیر القرآن 16 : 11

ابو اعلی مودودی ، تفہیم القرآن ، 11 : 16

جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لئے چاہیں سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ برے حالوں میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا ۔[33]

لفظ "عاجلہ (urgent) "کا مفہوم ہے "وہ چیز جو جلد حاصل ہو جائے"۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ دنیا کے لیے استعمال ہوا ہے، جس کے فوائد اور نتائج اسی زندگی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس "آخرت" ہے، جس کے انعامات اور ثمرات موت کے بعد تک مؤخر کر دیے گئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، جو شخص آخرت پر یقین نہیں رکھتا—یا اس وقت تک صبر کرنے پر آمادہ نہیں— اور دنیاوی زندگی کو، اس کی کامیابیوں اور خوشحالی سمیت، اپنی تمام تر کوششوں کا واحد مقصد بنا لیتا ہے، تو اسے صرف اسی دنیا میں وہ کچھ ملے گا جو اس کے مقدر میں ہے؛ آخرت میں اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا.مزید برآں، ان کے نتائج نہ صرف یہ ہوں گے کہ انہیں آخرت میں خوشحالی نصیب نہیں ہوگی، بلکہ دنیا میں بھی ان کی زندگیاں ایسی بگڑ جائیں گی کہ آخرت میں وہ جہنم کے عذاب کے مستحق ٹھہریں گے؛ کیونکہ اس دنیا میں ان کی زندگی برائی اور خوشحالی کا ایک ملا جلا مجموعہ ہوگی۔[34]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔[35]

گزشتہ آیت میں دو حقیقتیں بیان کی گئی تھیں جن کا مشاہدہ ہم ہر وقت ہر طرف کر رہے ہیں ۔ ایک یہ کہ تمام بندوں پر اللہ کا لطف عام ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس کی عطا و بخشش اور رزق رسانی سب کے لیے یکساں نہیں ہے بلکہ اس میں فرق و تفاوت پایا جاتا ہے ۔ اب اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اس لطف اور رزق رسانی میں جزوی تفاوت تو بے شمار ہیں مگر ایک بہت بڑا اصولی تفاوت بھی ہے ، اور وہ یہ ہے کہ آخرت کے طالب کے لیے ایک طرح کا رزق ہے اور دنیا کے طالب کے لیے دوسری طرح کا رزق ۔ یہ ایک بڑی اہم حقیقت ہے جسے ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے ۔[36]

اللہ نے مخلص بندوں کی اپنی کتاب میں عزیز میں مدح سرائی کی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی وصف بیان کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ اہل جنت دنیا میں بھوکوں محتاجوں ، فقیروں مسکینوں کو لوجہ اللہ کھانا کھلایا کرتے تھے ۔ باری تعالیٰ جنتیوں کی زبانی اس بات کی توثیق کرتے ہوئے انھی کی زبان میں فرما رہا ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾

ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری ۔[37]

ضروری نہیں ہے کہ غریب کو کھانا کھلاتے ہوئے زبان ہی سے یہ بات کہی جائے ۔ دل میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے اور اللہ کے ہاں اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو زبان سے کہنے کی ہے ۔ لیکن زبان سے یہ بات کہنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جس کی مدد کی جائے اس کو یہ اطمینان دلا دیا جائے کہ ہم اس سے کسی قسم کا شکریہ یا بدلہ نہیں چاہتے ، تاکہ وہ بے فکر ہو کر کھائے ۔[38]

دور حاضر میں ناگفتہ بہ حالات اور دردناک صورتحال

دور حاضر میں جن ناگفتہ بہ حالات اور جس دردناک صورتحال سے امت مسلمہ گزر رہی ہے اس کی اصلاح کے لیے اخلاص بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔

اخلاص اہم ترین فریضہ ہے، کیونکہ اکثر و بیشتر لوگ داخلی طور پر طرح طرح کی کشمکش سے دو چار ہیں وہ دعاۃ اسلام کا طبقہ ہو یا طالب علم کا ، ان میں سے ہر ایک داخلی رسہ کشی میں مبتلا ہے اور انھیں ایسے چیلنجوں کا سامنا ہے جن کی وجہ سے خیر وبرکت سے محرومی اور توفیق الٰہی سے دوری ان کا مقدر بن گئی ہے (الامن رحمۃ اللہ تعالیٰ) اور دین کی اساس و بنیاد مخلص دعاۃ کے کاندھوں پر قائم ہے اور علم دین کا فروغ ایسے طلاب علم سے جاری وساری ہے جو اخلاص کا پیکر ہیں اگر اخلاص معدوم ہوجائے تو باقی کیا بچا ؟ عصر حاضر کے مادی دور میں ہمیں اگر کوئی نجات سے ہم کنار کرسکتی ہے تو وہ اخلاص ہے ۔ آج ہم انحطاط اور انحلال جیسی ابتر صورتحال سے دو چار ہیں اس سے چھٹکارہ دلانے میں اخلاص کا کلیدی کردار

القرآن 17 : 18

ابو اعلی مودودی ، تفہیم القرآن 18 : 17

القرآن : 20 42

ابو اعلی مودودی ، تفہیم القرآن : 20 42

القرآن : 76 09

ابو اعلی مودودی ، تفہیم القرآن 76 : 09

ہے اور دین کی نصرت و حمایت مخلص داعیوں کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے ، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عروج و زوال سے متاثر بے اتاہ سمنر میں ہچکولے کھاتی ہوئی دنیا کو اس وقت اخلاص ہی ساحل سے ہم کنار کر سکتا ہے،اگر آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ امت مسلمہ پر اس وقت عجب وقت آن پڑا ہے ،

انحطاط وزوال اور ہزیمت ورسوائی کا دور دورہ ہے ۔ صبح وشام اسی کے قصے زبان زد خاص و عام عجیب افراتفری کے عالم سستی بلکتی آخری سانسیں گن رہے ہے ۔ شرق وغرب دونوں اس کے سر پر مسلط ہیں (آخر اس کا سبب کیا ہے ؟)؛اس کے اسباب تو بہت سے ہیں لیکن اہم ترین سبب یہ ہے کہ اس نے اپنی پہچان اور تشخص کھودیا ہے کیوں کہ مسلمان کی زندگی کا اہم ترین عنصر اخلاص ہے ، وہ مفقود ہے ، چراغ لے کر ڈھونڈھ ڈالیے کوئی مخلص بندہ نظر نہیں آئے گا ، گویا کہ عصر حاضر مخلص بندہ عدیم الوجود نہیں تو نادرالوجود تو ضرور ہے ، شائد کہیں کوئی مخلص نظر آجائے اگر آج اخلاص کا دور دورہ ہوتا تو مسلمانوں کا یہ حال نہ ہوتا جس سے وہ دو چار ہیں اس دور میں بہت سی تنظیمیں، ادارے ، کمیٹیاں ، پروجیکٹس، رفاعی کام کے ادارے قائم ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناکام اور بے فیض ہوکر رہ گئے اور کتنے دعوتی ادارے بنائے گئے اور کھوکھلے نعرے لگائے گئے ، مگر ریا کاری نے انھیں دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر ڈالا ، اس کائنات میں عالمی پیمانہ کی بہت سی تحریکوں کا وجود عمل میں آیا جس کی اثر پذیری کا عالم یہ ہوا کہ ہزاروں لوگ اس کے سایہ تلے جمع ہوگئے مگر نتیجہ کیا نکلا وہ کہ بالآخر وہ اس تحریک کا نام و نشان تک باقی نہ رہا ، ثریا سے زمین پر آسمان نے اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے دے مارا اور اس کی فلک بوس عمارت اوندھے منہ گرکر زمین دوز ہوگئی، کیونکہ وہ دنیاوی مقاصد (ریاست وکرسی ، مال و دولت، جاہ و منصب) کے نظر ہو گئی اخلاص کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کے عتاب کا شکار ہوگئی اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔[39]

نتائج

اسلامی معاشرے سمیت کسی بھی معاشرے کے بنائو اور بگاڑ میں جس دوسرے فرد کا مرکزی کردار ہے وہ اس معاشرے کا استاد ہے استاد اگر چاہے تو وہ معاشرے کو بدل سکتا ہے۔

ہم اپنی غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں کے سر ڈالتے ہیں۔ معاشرتی اور اخلاقی بدحالی کی ذمہ داری بزرگ نئی نسل پرڈال دیتے ہیں،اُن کے بقول نئی نسل اخلاقیات اور تہذیب سے عاری ہے۔ حالاں کہ اس بگاڑ کے اصل ذمہ دار یہی بڑے ہیں۔ اگر والدین اپنی اولاد کو اخلاقیات کی تربیت دیں اور انہیں برے لوگوں کی صحبت سے بچا کر رکھیں تو ان کے بگڑنے کے امکانات نہایت کم ہوجائیں گے۔ بد قسمتی سے آج کی مائیں بچے کی تربیت پر توجہ دینے کے بجائے ٹی وی ڈراموں، سوشل میڈیا اور سوشل پارٹیز پر زیادہ توجہ دیتی ہیں جبکہ باپ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے بچوں سے دور ہوگئے۔

*محض چند برس قبل ہمیں جو تہذیبی روایات نظر آتی تھیں وہ اب دور دور تک دکھائی نہیں دیتیں۔ اساتذہ جو اپنے طلباء پر انفرادی توجہ دیتےتھے اب ان کی کردار سازی سے بے زار ہیں۔ اس وقت تعلیم کا مقصد کردار سازی کی بجائے صرف ڈگری اور اعلیٰ ملازمت کا حصول رہ گیا ہے اور اس شعبے میں بھی کمرشل ازم آگیا ہے۔ اب اساتذہ کردار سازی کی بجائے دولت کمانے کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرتے ہیں۔

*ہمارے نوجوانوں کے پاس تعلیمی ڈگری تو ہے مگر اعلیٰ کردار نہیں۔ جب ہم بچے کے ذہن میں یہ بٹھائیں گے کہ عہدے والے کی عزت ہے، پیسے والے کی عزت ہے، بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھنے والے کی عزت ہے تو اس نسل سے یہ امید کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ باکردار ہوگی؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑے کردار والوں کو سامنے لایا جائے۔ جب تک ہم یہ نہیں سمجھیں گے کہ اعلیٰ کردار والا کتنی عزت والا ہوتا ہے ہم کبھی اعلیٰ کردار والے نہیں بنیں گے۔اس کے لیے سب سے پہلے ہم خود کو مثالی کردار بنائیں اور اچھے کردار والوں کی عزت کریں، ان کے کثرت سے تذکرے کریں۔ نوجوان نسل کو تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاق اور کردار کی تربیت دینے کی بھی بھرپور کوشش کریں تبھی معاشرے میں مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

سفارشات

اس وقت ہم کسی بھی رُخ سے ایک مہذب قوم نہیں ہیں۔ ہمارا معاشرہ منفی تبدیلی کے اس مرحلے میں ہے جس میں ہم تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں مثلاً مفید سرگرمیاں مفقود ہوگئیں جیسے صحتمندانہ کھیلوں کا انعقاد، لائبریریوں کا وجود، ادبی اور علمی محافل، دینی مجالس، آپس میں مل بیٹھ کر اچھے موضوعات پر تبادلۂ خیالات وغیرہ۔ چند برس قبل تک محلے کے بزرگ نوجوانوں کی تربیت پر گہری نگاہ رکھتے تھے، ان کے دلوں میں گھر کے افراد کے ساتھ ساتھ محلے کے بزرگوں کا ڈر بھی رہتا تھا، کوئی محفل ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں بزرگ اور نوجوان ایک ساتھ بیٹھ کر تعمیری گفتگو نہ کرتے ہوں۔اس کے علاوہ اساتذہ کا کردار بھی تربیت میں مددگار ثابت ہوتا تھا۔

اس وقت ہمارے اندر وہ تمام عادات پائی جاتی ہیں جو غیر مہذب اقوام کی پہچان ہوتی ہیں۔ ہم تہذیب یافتہ اقوام سے کچھ بھی نہیں سیکھ سکے۔دیکھا جائے تو اسلام نے ہمیں جو طرز زندگی سکھایا ہے وہ مہذب اقوام اپنا چکی ہیں۔ اگر ہم بھی اسلامی تعلیمات کے

محمد صالح المنجد ، ترجمہ فضل الرحمٰن رحمانی ندوی رحمۃ اللہ، دل کی اصلاح (اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے اعمال دل)
الفرقان ٹرسٹ ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ پاکستان ، ص
50

مطابق زندگی گزاریں اور دوسروں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جو اسلام ہمیں سکھاتا ہے تو کوئی شک نہیں کہ ہم دنیا کی بہترین تہذیب یافتہ قوم بن سکتے ہیں۔

خلاصہ

انسان خدائے واحد کا بندہ ہے ۔اسی کی بندگی اور اطاعت اسے کرنی چاہئے ۔ وہ یہاں کسی کا غلام نہیں ہے ، لہذا اس کا حق ہے کہ وہ غلامی سے آزاد ہو اور فی الواقع اسے آزاد بھی ہونا چاہئے ۔ کسی فرد بشر کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے فرد کو اپنا غلام بنائے اور اپنی بندگی پر اسے مجبور کرے۔

ادب وسلیقہ ، وقارو شائستگی ، نظافت و پاکیزگی، تمیز و حسن انتخاب، ترتیب و تنظیم لطافت احساس و حسن ذوق ، عالی ظرفی اور شرافت طبع ، ہمدردی اور خیر خواہی نرم خوئی اور شیریں کلامی ، تواضع اور انکساری، ایثار و قربانی، بے غرضی اور خلوص ، استقلال و پامردی، فرض و شناسی اور مستعدی ، خدا ترسی اور پرہیزگاری، توکل و جرآت اقدام ۔ یہ اسلامی زندگی کے وہ دلکش خدوخال ہیں ،جن کی بدولت مومن کی بنی سنوری زندگی میں وہ غیر معمولی کشش اور وہ اتھاہ جاذبیت پیدا ہوجاتی ہے کہ نہ صرف اہل اسلام بلکہ اسلام سے نا آشنا بندگان خدا بھی بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں اور عام ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جو انسانیت نواز تہذیب زندگی کو نکھارنے، سنوارنے اور غیر معمولی جاذبیت سے آراستہ کرنے کے لئے انسانیت کو یہ بیش بہا اصول و آداب عطا کرتی ہے ، وہ یقیناً ہوا اور روشنی کی طرح سارے انسانوں کی عام میراث ہے، اور بلاشبہ اس قابل ہے کہ پوری انسانیت اس کو قبول کرکے اس کی بنیادوں پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیاب تعمیر کرے تاکہ دنیا کی زندگی بھی راحت و سکون ، عیش و نشاط اور امن و عافیت کا گہوارہ بنے اور دنیا کے بعد کی زندگی میں بھی سب کچھ حاصل ہو جو ایک کامیاب اور فلاح یافتہ زندگی کے لئے ضروری ہے ۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان نسل کو تباہی سے بچانے کے لیے نوجوانوں کی نفسیات کو مدنظر رکھا جائے، طالب علموں کو نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مفید غیر نصابی سرگرمیوں میں اتنا مشغول رکھیں کہ وہ منفی سرگرمیوں یا وقت کے ضیاع سے بچیں اور ان کے اخلاق و کردار کی بہتر انداز میں تشکیل ہو۔اس کے لیے علاوہ انہیں اسلام کی صحیح روح سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ انہیں دنیا کے موجودہ تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت بھی ہے۔ اگر شروع ہی سے نوجوانوں کی اخلاقی سوچ کو بہتر بنایا جائے تو بڑے ہوکر یہی اچھا معاشرہ تشکیل دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہوں گے۔

ہر قوم کی اصل قوت اس کا اخلاق اور کردار ہے اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کے بارے میں فرمایا کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ مجموعی اور انفرادی دونوں سطح پر اس بات کا جائزہ لیں کہ ہم کیسا معاشرہ تشکیل دے رہے ہیں اور مستقبل میں اس کے کیسے خوفناک نتائج برآمد ہوں گے۔ اس جائزے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر اپنا کرادر ادا کرے اور پاکستان کی تعمیر وترقی کے لیے متحرک ہو۔

اصل تربیت وہی ہے جو اپنے عمل سے اپنے چھوٹوں کو سِکھائی جائے اور وہ تب ہی ممکن ہوگا جب آپ کا اپنا کردار اچھا ہوگا اس حوالے سے سب سے بنیادی چیز بہترین تعلیم کا حصول ہے- بہترین تعلیم کا مطلب مہنگے اور مشہور تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے وسائل اور استعداد کے مطابق آپ جہاں بھی تعلیم حاصل کررہے ہوں آپکا ایک ایک لمحہ سیکھنے کے عمل میں استعمال ہو- اس وقت آپ کے والدین اور آپ کے ارد گرد کا تقریباً سارا ماحول آپ کے تعلیم حاصل کرنے میں آپکا معاون ثابت ہو رہا ہے اس لئے اس وقت کو ضایع نہ ہونے دیں- زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کریں - ایسا علم جو آپ کو بہترین مسلمان اور اچھا انسان بنائے اور آپ کی صلاحیتوں کو ابھارنے میں معاون ثابت ہو- اگر آپ میں لکھنے، پڑھنے،بولنے اور سمجھنےکی بہترین استعداد ہو گی تب ہی آپ ملکی معملات میں اپنا کردار بہتر طور پہ ادا کر سکیں گے۔